SHEHRI

شہری

برائے بہتر ماحول

جنوری تا مارچ ۱۹۹۵ء

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو، وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے...مارگریٹ میڈ

اندر کے صفحات پر

غذا میں ملاوٹ
پاکستان ماحولیاتی سیاست
گھومتی پھرتی غذا
شہری کے خطوط کا جواب نہیں ملا
ہندوستان آبادی، ماحول اور ترقی

کراچی ماس ٹرانزٹ

شہر کو اس کی ضرورت ہے یا نہیں

کراچی ماس ٹرانزٹ پروگرام آج کل این جی اوز اور حکومت کے ترقیاتی حکام کے درمیان گرما گرم بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ غیر ملکی مشیر اس کا ڈیزائن تیار کر چکے ہیں اور یہ منصوبہ غیر ملکی امداد سے تیار کیا جائے گا یہ بلند اور ہلکا ریلوے سسٹم جو کراچی کے لئے تجویز کیا گیا ہے جتنے مسائل حل کرے گا اس سے کہیں زیادہ مسائل پیدا بھی کر سکتا ہے اور اس پر ڈالروں کی شکل میں بہت زیادہ لاگت بھی آئے گی باخبر لوگ اور بہت سی این جی اوز KMTP کے ممکنہ منفی ماحولیاتی تاثر سے آگاہ ہیں اور ان کے پاس کراچی میں آمدورفت کے مسائل کے زیادہ سادہ، باکفایت اور دانش مندانہ حل موجود ہیں۔

لیکن کیا صاحبان اقتدار ان کی بات سنیں گے؟ ماس ٹرانزٹ کا جائزہ لیتے وقت اہم بات یہ ہے کہ اس منصوبے کو شہر کے، اس کے اداروں کے اور اس کے طبعی ذیلی ڈھانچے کے سیاق و سباق میں دیکھا جائے۔ شہر کی آبادی تقسیم ہند کے وقت تین لاکھ تھی جو اب ایک کروڑ بیس لاکھ (۱۲ ملین) ہو چکی ہے (یعنی پچاس سال کے عرصے میں چالیس گنا اضافہ ہوا ہے) اور توقع ہے کہ ۲۰۰۰ء تک کراچی کی آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ (۱۶ ملین) ہو جائے گی۔ چنانچہ ہمیں گنجان آبادی کی ایسی لہر کا سامنا ہے جس نے قوم کے حقیر وسائل اور زیریں ڈھانچے پر بے انتہا دباؤ ڈال رکھا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ نئے عظیم الشان منصوبے شروع کر کے چادر سے باہر پاؤں پھیلانے اور موجودہ سہولتوں کو بگڑنے اور ناقابل اصلاح حال تک پہنچا کر کروڑوں روپیہ ضائع کرنے کے بجائے اپنے محدود وسائل کو موجودہ اداروں کی بحالی اور انہیں جدید بنانے پر خرچ کیا جائے۔

کراچی ایک ایسا شہر ہے جہاں ۱۸ مختلف

باقی صفحہ ۳ پر ملاحظہ فرمائیں

سٹیزنز ماس ٹرانزٹ فورم کا اجلاس

زمینی پانی کو پائپ لائن سے ملانے کے خدشات

ساجد عزیز

ماہرین کی رائے میں کراچی کا زمینی پانی انسانی استعمال کے لئے مناسب نہیں

پانی کو اکسیر حیات کہا جاتا ہے لیکن آلودہ پانی کی وجہ سے بہت سے لوگ مر بھی جاتے ہیں عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق ہر سال ایک کروڑ سے زائد افراد پانی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک میں پچاس فیصد بیماریاں ناقص صفائی اور آلودہ زمینی یا کھاری پانی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ پینے والے پانی میں دیگر چیزوں کی ملاوٹ کے پیش نظر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں ہمیشہ پینے کے لئے صاف پانی ملے گا۔ ماہرین دو اسباب کی بناء پر کراچی میں زمین سے نکلنے والے پانی کو پینے کا مشورہ نہیں دیتے ایک تو اس کے کھاری پن کی وجہ سے دوسرے تحلیل شدہ ٹھوس مادوں کی بھاری مقدار کی وجہ سے یہ پانی ڈبلیو ایچ او کے مقرر کردہ معیار پر پورا نہیں اترتا گزشتہ عرصے میں کے ڈی اے اور چند دوسری تنظیموں نے بارہا کراچی کی حدود میں پینے کے قابل زمینی پانی کی موجودگی کے بارے میں تحقیق کی۔ ہر مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کراچی کے جغرافیائی حالات کی وجہ سے خواہ آپ کتنا ہی گہرا کنواں کھودیں کراچی میں میٹھا پانی نہیں مل سکتا۔

تمام خطرات کو نظرانداز کرتے ہوئے کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ نے شہر کے تقریباً" ہر حصے میں سو کنویں کھودنے کا لاکھوں روپے کی مالیت کا پراجیکٹ شروع کیا ہے تاکہ پانی کی تقسیم کے نیٹ ورک میں اپنی کوتاہیوں پر قابو پا سکے اور پانی کی فراہمی میں اضافہ کر سکے۔ کراچی واٹر بورڈ پبلک ہیلتھ اینڈ

باقی صفحہ ۲ پر ملاحظہ فرمائیں

زمینی پانی .... ذریعہ کیا؟

بقیہ : پانی

انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ کی مدد سے کنویں کھود رہا ہے۔ ان سو کنوؤں میں سے تقریباً ''نو کنوئیں شہر کے مشرقی حصے میں ہونگے' ۲۴ مغرب میں' ۱۶ شمالی حصے میں' ۳۰ جنوب میں اور ۲۱ کراچی کے وسطی حصے میں ہوں گے منصوبے کے مطابق ان تمام کنوؤں کو پانی کی مرکزی پائپ لائنوں کے پمپنگ اسٹیشنوں سے ملا دیا جائے گا جہاں سے بھاری موٹریں کنوؤں کا پانی کھینچیں گی اور اسے براہ راست واٹر بورڈ کے فراہم کردہ پانی میں ملا دیا جائے گا جو سندھ اور حب ڈیم سے حاصل کیا جاتا ہے۔

کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے چیف انجینئر (تقسیم) جناب ایم مہدی جنہوں نے اس نظریئے کی داغ بیل ڈالی نے حکومت سے اقرار کیا ہے کہ ہر کنویں کے پانی کی لیبارٹری میں جانچ پڑتال کیجائے گی اور کم کھاری پانی کو براہ راست واٹر بورڈ کے پانی میں ملایا جائے گا جبکہ زیادہ کھاری پانی کو فلٹر کیا جائے گا لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اس طرح کے کنوؤں کے لئے ان کے پاس کتنے فلٹر پلانٹس ہوں گے اور ان پر کیا خرچہ آئے گا اور یہ خرچہ کون برداشت کرے گا۔ قطع نظر اس کے کہ پانی کو فلٹر کیا جائے گا یا نہیں یہ بات سب جانتے ہیں کہ کراچی میں میٹھے پانی کا ایسا کوئی ذخیرہ نہیں جسے انسانی استعمال کے لئے موزوں قرار دیا جاسکے۔ اگر کہیں ٹیوب ویل کے ذریعے ایسا پانی کھینچا جا رہا ہے تو وہ یا تو سیوریج کا ہے یا پائپ لائنوں میں شگاف پڑنے کی وجہ سے رس رس کر وہاں جمع ہو گیا ہے کراچی واٹر بورڈ کا یہ منصوبہ ان لوگوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے کافی ہے جنہیں اس بات کا ذرا سا بھی احساس ہے کہ زمینی پانی کو پائپ لائن والے پانی میں ملانے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ شہریوں کی جانوں سے کھیلنے والی بات ہے کیونکہ اس منصوبے پر عمل در آمد کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خطرات سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔ کراچی کے زمینی پانی میں شور کے علاوہ بغیر صاف کیا ہوا سیوریج اور صنعتی فضلہ جس میں بھاری دھاتیں ہوتی ہیں بھی شامل ہے۔ صنعتی پانی میں سیسہ اور دوسرے آلودگی پیدا کرنے والے عناصر جیسے سائنائیڈ' آرسینک' کرومیم' سلینیم اور دیگر زہریلے کیمیاوی مادے شامل ہوتے ہیں جو انتہائی مضر صحت ہیں۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ واٹر بورڈ کے پاس فلٹریشن کا ایک ہی اہم ذریعہ ہے اور وہ ہے پانی میں کلورین ملا دینا جسے جراثیم کو مارنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے پانی میں ایک ناگوار بو پیدا ہو جاتی ہے لیکن چند جراثیم ایسے ہوتے ہیں جنہیں کلورین بھی نہیں مار سکتی۔ محققین نے حال ہی میں دریافت کیا ہے کہ پینے کے پانی میں کلورین شامل کرنے کے کچھ انتہائی منفی اثرات بھی ہیں کیونکہ یوں نامیاتی مادے کے انتہائی چھوٹے ذرے کیمیاوی طور پر تبدیل ہو کر مضر صحت اجزا پیدا کرتے ہیں یہ ان کیمیاوی مادوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ سرطان اور پیدائشی نقائص کا سبب بنتے ہیں حکومت پاکستان نے کراچی پیکیج کے تحت کراچی میں پینے کے پانی کی فراہمی میں اضافے کے لئے ۱۵۰ ملین روپے مختص کئے ہیں لیکن زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ کراچی بورڈ اس رقم کو شہر میں پائپ لائنوں میں ہونے والی لیکیج کی مرمت کے لئے استعمال کرے جس کی وجہ سے کراچی میں تقسیم ہونے والا ۳۵ فیصد پانی ضائع ہو جاتا ہے۔ اس رقم سے سارے اہم مقامات پر رسنے والے پانی کو روکا جا سکتا ہے جس سے ۵۰ ملین گیلن پانی کی روزانہ بچت ہوگی جب کہ ٹیوب ویل کی بدولت کراچی کورڈ کے نیٹ ورک میں ۳۰ ملین گیلن سے زیادہ اضافہ نہیں ہو پائے گا۔ ●●

بہتر یہ ہوگا کہ کراچی بورڈ اس رقم میں پائپ لائنوں میں ہونے والی لیکیج کی مرمت کے لئے استعمال کرے جس کی وجہ سے کراچی میں تقسیم ہونے والا ۳۵/ فیصد پانی ضائع ہو جاتا ہے اس رقم سے سارے اہم مقامات پر رسنے والے پانی کو روکا جا سکتا ہے جس سے ۵۰/ ملین گیلن پانی کی روزانہ بچت ہوگی جب کہ ٹیوب ویل کی بدولت کراچی بورڈ کے نیٹ ورک میں ۳۰/ ملین گیلن سے زیادہ اضافہ نہیں ہو پائے گا۔

شہری

G-206۔ بلاک 2 پی ای سی ایچ ایس
کراچی 75400 پاکستان
ٹیلیفون نمبر 441769-442578
فیکس : 92-21-4548226
ایڈیٹر : ایس ہارون
ٹیلیفون نمبر 4923917
فون/فیکس : 494-8118

مینجنگ کمیٹی

چیئرپرسن	روبینہ حسین
وائس چیئرپرسن	قاضی فیض عیسیٰ
جنرل سیکریٹری	عمیرا رحمٰن
خزانچی	خلیب احمد
اراکین	دانش آذر زوبی
	حسن جعفری
	فرحان انور
	امبر علی بھائی
	قیصر بنگالی

شہری کا عملہ

کوآرڈینیٹر	محمد خالد
اسسٹنٹ کوآرڈینیٹر	عامر قیصر
	عارف عثمان
آفس اسسٹنٹ	تشکیل احمد
اسسٹنٹ ہیلپ کمیٹیز	محمد خالد
انچارج قانونی شعبہ	امبر علی بھائی

شہری ذیلی کمیٹیاں

i	آبورگی	خلیب احمد
ii	تحفظ ورثہ	دانش آذر زوبی
iii	میڈیا اور بیرونی روابط	عمیرا رحمٰن
iv	قانون	حسن جعفری
		قاضی فیض عیسیٰ
		امبر علی بھائی
v	پارک اور تفریح (ترقی)	خلیب احمد
vi	مالی حصول	خلیب احمد

ذیلی کمیٹیوں کی رکنیت شہری سی بی ای کے سارے اراکین کے لئے کھلی ہے شہری کے حوالے کے ساتھ مضامین کی کسی بھی دوبارہ اشاعت کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

مدیر/ادارتی عملے کا شہری نیوز لیٹر میں شائع ہونے والے مضامین/خبروں سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

قلمی تعاون کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

دلچسپی رکھنے والے قلم کار رہنمائی کے لئے شہری کے دفتر سے رابطہ قائم کریں۔ شہری خبرنامے کے قارئین کا حلقہ نچلے' متوسط اور بالائی آمدنی والے گروہوں' طلبہ' پیشہ ور حضرات' ماہرین ماحولیات' پالیسی سازوں' غیر سرکاری تنظیموں اور دیگر تنظیموں پر مشتمل ہے۔

اشتہارات کا نرخ نامہ

زبان	اردو
اشاعت	سہ ماہی
مقام اشاعت	کراچی
تقسیم	اندرون ملک و بیرون ملک
کاغذ	(۲۰۰۰ کاپیاں) سکسٹی گرام نیوز پرنٹ
سائز	7 x 10 انچ (A4)
صفحات	۲
رنگین	
پہلا صفحہ	
آخری صفحے کے اندر	۶۰۰
آخری صفحہ	۵۰۰
بلیک اینڈ وائٹ	
اندرونی صفحات	۳۰۰ روپے
لے آؤٹ اور	
ڈیزائن	زیڈ۔ یو۔ ملک
پرنٹنگ	ذکی پریس
پروڈکشن	انٹرپرائز کیو ٹیکنیکس

شہری CBE غیر ملکی اور مقامی کمپنیوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اشتہارات اور/یا عطیات کے ذریعے ہمارے نیوز لیٹر کی طباعت و اشاعت میں مدد فرمائیں۔

رکن

IUCN

دی ورلڈ کنزرویشن یونین

بقیہ ☆ ماس ٹرانزٹ

پلاننگ ایجنسیاں کام کر رہی ہیں جن میں آپس میں رابطہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان میں کے ڈی اے اور کے ایم سی دو سب سے بڑی ایجنسیاں ہیں' ان کے بعد پانچ کنٹونمنٹ بورڈز ہیں اور پھر دوسری بہت سی ایجنسیاں ہیں اصولی طور پر شہر کے ایک کروڑ بیس لاکھ باشندوں کے لئے شہری سہولتوں کی فراہمی کی ذمہ داری میئر پر عائد ہوتی ہے لیکن اصل صورت یہ ہے کہ بلدیاتی حکومت موجود نہیں ہے اس لئے ایک ایڈمنسٹریٹر نے سارے امور کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی ہے لیکن ایڈمنسٹریٹر کو بھی کراچی کی بہت سی ایجنسیوں پر کنٹرول حاصل نہیں ہے۔

یہ شہر بھی پاکستان کے دوسرے بہت سے شہروں کی طرح قانونی طور پر منظور شدہ کسی ماسٹرپلان کے بغیر موجود ہے اور پھیل رہا ہے اور جہاں منصوبہ بندی اور تعمیرات کے ضمنی قوانین کی اکثر خلاف ورزی کر کے قانون کی توہین کی جاتی ہے۔ سرکاری حکام' سیاستدانوں اور لسانی گروہ بندی کی بنیاد پر بنی ہوئی مختلف مافیاؤں نے پیسے کے لالچ میں شہری ماحول کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

زمینوں پر قبضہ' غیر قانونی طور پر کاروباری مقاصد کے لئے زمینوں اور عمارتوں کا استعمال اور زمین کے استعمال میں اچانک تبدیلیوں سے نہ صرف ماحولیاتی مسائل پیدا ہوتے ہیں بلکہ زیریں ڈھانچے کی سہولتوں کی تقسیم کے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا آسانی سے علاج نہیں کیا جاسکتا۔ اس پس منظر میں ایک تیز رفتار ٹرانزٹ سسٹم کی درآمد اور تنصیب اس کی اپنی قوتوں کا تسمہ کھول دے گی جو اس شہر کو مزید اپنے سانچے میں ڈھالیں گی جس سے اہالیان کراچی کو سہولت' صحت اور آرام کے لحاظ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا البتہ ان کو فائدہ ضرور پہنچے گا جو پہلے سے دولت مند اور بااختیار ہیں۔ موجودہ نظام میں ایسے سارے منصوبوں کا وہی حشر ہوگا جو ان سے پہلے والوں کا ہو چکا ہے۔

رشوتیں' ناقص ڈیزائن' مستقل مقداروں اور نمونوں کے غلط اندازے جن کا نتیجہ لاگت میں اضافے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ایسے سارے سابقہ منصوبوں کی نمایاں خصوصیات رہے ہیں۔

پالیسی سازی کا کھلا اور روشن خیال عمل' پیشہ ور بیوروکریسی' ایسی حکومت جس کا احتساب کیا جاسکے اور ایک مضبوط مدنی معاشرہ جو عوامی امور میں شریک ہو اور یہ سب قانون کے تحت عمل کر رہے ہوں جب تک یہ ساری چیزیں نہ ہوں تب تک بے خبر اور لاچار شہریوں کے نام پر اور ان بچوں کے نام پر جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اتنے بڑے قرضوں کے معاہدے نہیں کرنے چاہئیں۔ پہلے ہی بیس ارب ڈالر کے قرضوں کی وجہ سے قوم قرضوں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے۔ نتیجے کے طور پر آج کل سارا ترقیاتی بجٹ بین الاقوامی قرضوں پر چل رہا ہے اور ان میں سے کچھ قرضوں کی ادائیگی کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ کچھ عرصہ بعد سارے نئے قرضے پرانے قرضے اتارنے میں صرف ہوجائیں گے اور ترقیاتی مقاصد کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔ اس لئے ماس ٹرانزٹ جیسے منصوبوں کے لئے قرضے لینے سے انکار کر دینا چاہئے اور خود انحصاری کو فروغ دینا چاہئے۔

جب تک ہم سارے مسائل پر سوچ بچار کر کے ایک تیز رفتار ٹرانزٹ سسٹم اپنانے کے بارے میں متفق نہیں ہوجاتے تب تک ہمیں موجودہ ذیلی ڈھانچے کو ہی بہتر اور فعال بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ پبلک اور پرائیویٹ بسوں' منی بسوں' وین کمپنیوں' کالی اور پیلی ٹیکسیوں' رکشاؤں اور سرکلر ریلوے کو ایک کل کے اجزا کے طور پر دیکھنا چاہئے اور ان سے اسی طرح کام لینا چاہئے۔ اور اگر مستقبل میں کبھی ہم ایک تیز رفتار ٹرانزٹ سسٹم کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں تو ہمیں اس اصول پر عمل کرنا ہوگا۔ ہمیں غیر ملکی ٹیکنالوجی کے اطلاق کو رد کرنا ہوگا اور اس کے بجائے خود تشکیل کردہ منصوبوں کو معیاری بنانا ہوگا اور انہیں پاکستان میں ہی تیار کرنا ہوگا ضرورت کے تحت غیر ممالک سے اشتراک کیا جاسکتا ہے) دیسی ٹیکنالوجی ہماری قوم کو ہلکی ریلوں کا علاقائی برآمد کنندہ بھی بنا سکتی ہے کیونکہ مسلسل تحقیق و ترقی کی بدولت پیداوار کی لاگت کم ہوسکتی ہے۔ ہماری کامیابیاں ہمارے وسطی ایشیائی پڑوسیوں اور دیگر ممالک کو ہماری طرف متوجہ کر سکتی ہیں۔

اگر ہم نے غیر ملکی قرضوں اور ٹیکنالوجی کو اپنے ملک میں داخل کرنا جاری رکھا تو پاکستان ٹیکنالوجی اور اہم اشیا کی بجائے بنیادی اشیا کا برآمد کنندہ ہی بنا رہے گا اور ظاہر ہے آمدورفت کا مسئلہ بھی بدستور رہے گا۔

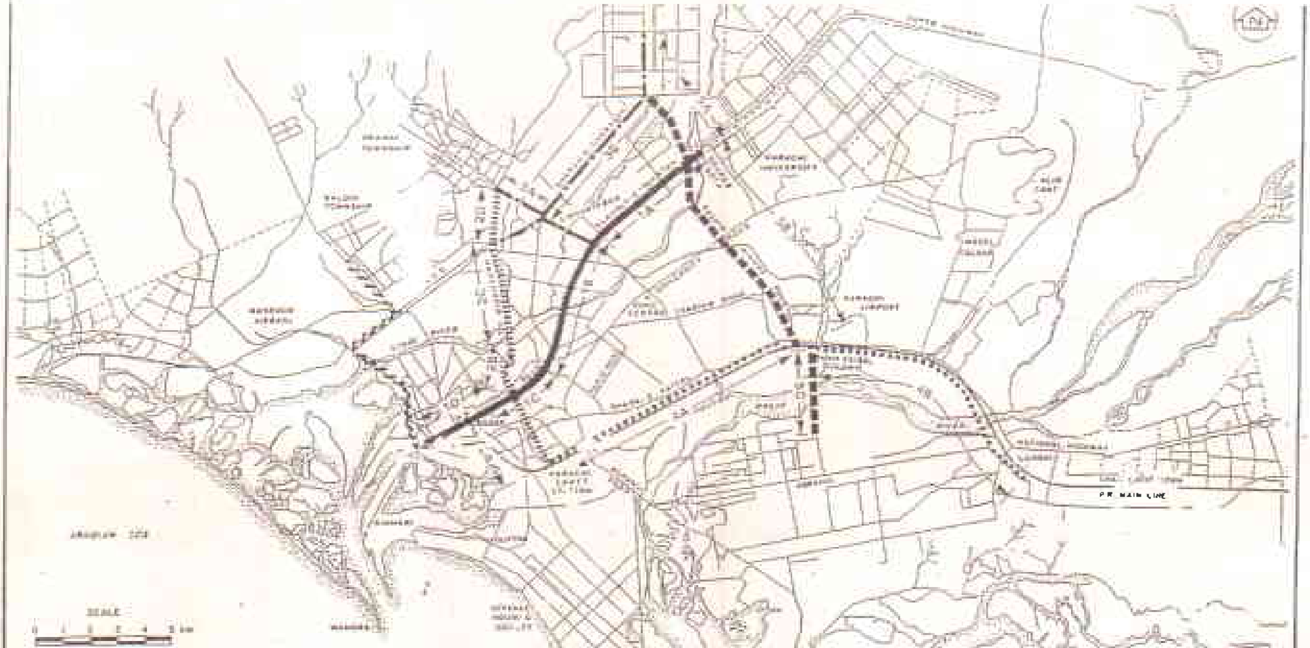

غذا میں ملاوٹ

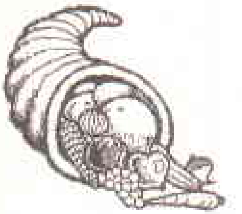

رعنا رضوی

پاکستان میں غذائی اشیاء میں ملاوٹ عام ہے۔ اس کے ذمہ دار وہ افراد ہیں جو اپنے مفاد کے لئے انسانی صحت سے کھیل رہے ہیں

یہ ایک حیران کن بات ہے کہ آج کل مارکیٹ میں کھانے پینے کی جو اشیا ملتی ہیں ان میں سے زیادہ تر کا سندھ کے خالص غذا کے قانون (۱۹۶۵ء) میں کوئی ذکر نہیں چنانچہ روزمرہ استعمال کی غذائی اشیا کا معیار مقرر کرنے سے متعلق کوئی قانون موجود نہیں ہے وہ ایجنسیاں جو غذائی معیار کی جانچ پڑتال کرنے کی ذمہ دار ہیں وہ ان اشیا کی چیکنگ اس لئے نہیں کر سکتیں کیونکہ یہ اس فہرست میں سرے سے موجود ہی نہیں ہیں اور ۱۹۶۵ء کے بعد سے اس فہرست پر نظر ثانی کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

غذائی اشیا میں کھانے پینے کی ساری اشیاء گھی، معدنیاتی پانی، دہی، چائے، قلفیاں، فل کریم پاؤڈر دودھ، پان، سپاری، لہسن کا پاؤڈر، کھیر مکس پاؤڈر، مسالے، جیلی کرسٹلز، ڈبل روٹی، بسکٹ، بچوں کا دودھ، سیریل اور مختلف مٹھائیاں وغیرہ شامل ہیں۔

کوالٹی کنٹرول کے معاملے کو نظرانداز کرنے کی وجہ حکومت کی کاہلی اور بے حسی کے سوا کچھ نہیں اس لئے غذا میں ملاوٹ پر کوئی باز پرس نہیں ہوتی اور اس کے نتائج عوام کو بھگتنا پڑتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ خوف ناک بات دوائیوں میں ملاوٹ ہے جس کا نتیجہ کسی مریض کی جان جانے کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ غذائی اشیا میں ملاوٹ نسبتاً کم عمری میں اموات کا سبب بن سکتی ہے۔ کے ایم سی کے ہیلتھ ڈپارٹمنٹ کے سابق ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر پنہور کا کہنا ہے کہ وہ غذائی اشیا میں ملاوٹ کو چیک نہیں کر سکتے کیونکہ وہ سندھ کے خالص غذا کے قانون کے ہاتھوں مجبور ہیں۔

جب پام آئل مارکیٹ میں متعارف کرایا گیا تو اس کے معیاری ہونے کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی تھی اور دو سال بعد اسے سندھ کے خالص غذا کے قانون میں شامل کیا گیا۔ ڈاکٹر پنہور نے کہا کہ حکومت کے لئے لازمی ہے کہ کسی بھی چیز کے مارکیٹ میں متعارف کرائے جانے سے قبل وہ اسے چیک کرنے اور اس کے اجزا کے خالص پن کو برقرار رکھنے کے لئے اقدامات کرے۔ اس چیز کو سب سے پہلے سندھ کے خالص غذا کے قانون کی فہرست میں شامل کر کے اسے قانونی تحفظ دیا جانا چاہئے۔ ڈاکٹر پنہور نے بتایا کہ ۱۹۹۳ء میں کے ایم سی نے ۲۰۱۰ غذائی نمونے چیک کئے جن میں سے ۴۹۹ ملاوٹ شدہ تھے اور ۱۵۱۱ خالص تھے۔ گیس ملے ہوئے مشروبات، پھلوں کا رس، شربت، سپاری اور سرکہ میں سب سے زیادہ ملاوٹ پائی گئی۔

ملاوٹ کی روک تھام کی ذمہ داری کے ایم سی پر عائد ہوتی ہے جو شہر کے مختلف حصوں سے غذائی نمونے جمع کرنے کے لئے اپنے انسپکٹروں کو بھیجتی ہے۔ ایک فوڈ انسپکٹر گاہک

باقی صفحہ ۱۱ پر

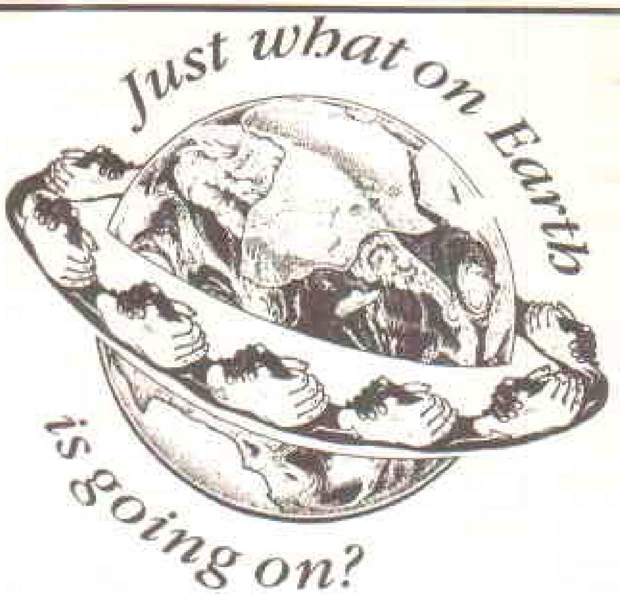

ماحولیات پر معلوماتی جریدہ

اگر آپ اس سیارے پر زندگی کے تنوع سے متاثر ہیں اور یہ معلوم کرنے کے خواہش مند ہیں کہ اس کو محفوظ رکھنے کے لئے کون سے اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں اور آپ اس کے تحفظ کا تہیہ کر چکے ہیں تو "گلوبل بائیو ڈائیورسٹی" کا مطالعہ کریں اس کا ہر شمارہ آپ کو یہی معلومات فراہم کرتا ہے کہ ہمارا ماحول خود کو برقرار رکھنے کے لئے زندگی کی رنگارنگی کو کیسے استعمال کرتا ہے اور بیماری، آگ، سیلاب، خشک سالی، اور قدرتی آفات کی دیگر ساری اقسام کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی کمزوریوں کو کیسے دور کرتا ہے۔

پتہ: کینیڈین میوزم آف نیچر پی او بکس ۳۴۴۳، اسٹیشن ڈی اوٹاوہ، کینیڈا KIP 6P4

اخبارات کے ہر چار فٹ کے گٹھے کو ری سائیکل کرنے کا مطلب چالیس فٹ صنوبر کے درخت کو بچانا ہے

جھیل پارک کا ایک منظر

پاکستان : ماحولیات کی سیاست

نوید حسین ـــــ بشکریہ ☆ لبرل ٹائمز

جنگلات کے رقبے میں کمی وسیع پیمانے پر دریاؤں کا گاد سے اٹ جانا اور فاسد فضلے کو ٹھکانے لگانے کے ناکافی و ناقص انتظامات نے پاکستان کے ماحول کو گھن کی طرح کھایا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ تو ناخواندگی' جبری مزدوری اور بے قابو بڑھتی ہوئی آبادی جیسے اہم مسائل کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے سیاسی ارادے کا فقدان ہے۔

پاکستان نے ترقی کرنے کی خواہش میں سوشل سیکٹر کو ہمیشہ کم ترجیح دی جس کے نتیجے میں سب سے زیادہ ماحول متاثر ہوا۔ اب اس وقت ایک موقع ملا ہے کہ ماضی کی غلطی کا تدارک مسلسل جاری رہنے والی ترقی کے ذریعے کیا جائے۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ عالمی ماحولیاتی سہولتوں کے ذریعے آنے والا تعاون ماضی کی طرح ضائع و برباد نہ ہو۔

پاکستان میں ماحول کی صورتحال

جنوبی ایشیا کا حصہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کو بھی عمومی طور پر چند مشترکہ علاقائی مسائل مثلاً آبادی کی بڑھتی ہوئی شرح' آبادی کا شہروں کی جانب تیز رفتار انتقال اور غربت کا سامنا ہے یہ وہ عوامل ہیں جو ماحول کی تباہی و بربادی کی جانب لے جاتے ہیں اس کے علاوہ اداروں کی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں کمزور ماحولیاتی قوانین اور کنٹرول نے اس سلسلے میں مزید ستم ڈھایا ہے۔

پاکستان اپنے خصوصی مسائل سے بھی دوچار ہے۔ مثلاً یہ جنوبی ایشیا میں سب سے کم جنگلاتی رقبہ رکھنے والا ملک ہے۔ اس کے کل زمینی رقبے کا صرف ۵ء۲ فیصد جنگلات پر مشتمل ہے جس کی وجہ سے جنوبی پاکستان میں بارش کم ہوتی ہے۔ محدود قابل کاشت زمین ہونے کے باعث ملک کو زیادہ سے زیادہ زرعی پیداوار کی ضرورت ہے۔ اگرچہ کہ پنجاب اور سندھ کے صوبوں میں دنیا کا بہترین نظام آب پاشی موجود ہے چالیس ہزار غیر صف بستہ نہروں اور خراب زمینی انتظام کے باعث سیم و تھور کے مسائل پیدا ہوئے ہیں جس کے نتیجے میں قابل کاشت زمین کا وسیع و عریض حصہ ضائع ہوا ہے۔

شمالی علاقوں میں تھور کے مسئلے پر قابو نہیں پایا جاسکا۔ جس نے ماحول کی تباہی میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ پہاڑوں سے مٹی کی تہہ ہٹ گئی ہے جس کی وجہ سے مٹی کے تودے اپنی جگہ سے کھسک جاتے ہیں اور دریا کے پاٹ مٹی سے اٹ جاتے ہیں۔

پہاڑوں سے ترائی کی جانب وائلڈ لائف کی ہجرت آبادی کے دباؤ کی وجہ سے متاثر ہوتی ہے۔ پن بجلی کے بڑے بند مثلاً شمال میں منگلا اور تربیلا ملک کو بجلی فراہم کرتے ہیں اور آب پاشی کے لئے سارا سال پانی کی رسد کو برقرار رکھتے ہیں۔ دوسری جانب بڑے پیمانے پر مٹی کے کھسک جانے سے دریا کے پاٹ اٹ جاتے ہیں پانی والے علاقوں میں جنگلات نہ ہونے کی وجہ سے ان بندوں کی اہلیت میں کمی واقع ہوئی ہے۔

سندھ کے ساحلی علاقوں کی جانب دریاؤں کے پانی میں کمی واقع ہوئی ہے جس کی وجہ سے تربیلا اور منگلا بند سمندر کا پانی اپنے اندر شامل کر لیتے ہیں اور اس طرح زرعی زمین کا ایک وسیع رقبہ تباہ ہو گیا ہے چنانچہ مجوزہ کالاباغ اور بروتھا بند یقینی طور پر آگے چل کر ماحولیاتی مسائل میں اضافے کا باعث بنیں گے۔

صنعتوں کا پیدا کردہ فضلہ' کیڑے مار دواؤں اور نباتات کے تحفظ کے لئے استعمال ہونے والی دواؤں نے زرعی پیداوار پھلوں اور سبزیوں کے ذریعے غذائی زنجیر میں اپنا راستہ بنایا ہے۔ کراچی کے ساحلی علاقے میں صنعتی فضلہ اور سیوریج کا گندہ پانی تقریباً" ۱۸۰۰ ٹن روزانہ سمندر میں پھینکا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ماحول تو تباہ ہوا ہی ساحل بھی آلودہ ہوئے ہیں۔

شہری علاقوں کو شدید قسم کے سماجی اور ماحولیاتی دباؤ کا سامنا ہے۔ آبادی کے بڑھنے کی قدرتی و فطری شرح سرکاری طور پر ۱ء۳ فیصد بتائی جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ شرح ۵ء۳ فیصد ہے۔ اس بڑھوار نے آمدنی کو کم سے کم کر دیا ہے جس کی وجہ سے دیہی علاقوں سے انتقال آبادی ہوا ہے۔ کچی آبادیوں اور ناقص رہائشی سہولتوں' ٹریفک کے مسائل شہری خدمات کی کمی' تفریحی مقامات اور جگہوں میں کمی نے شہروں میں خاص طور پر غریبوں کے لئے زندگی کو ناقابل برداشت بنایا ہے۔ ماحولیاتی مسائل کے لئے اس وقت تک بہت ہی کم جگہ ہوتی ہے جب تک وہ ان کے وجود کے لئے خطرہ نہیں بن جاتے۔ بنی نوع انسان کے ہاتھوں ماحول کا یہ قتل برسوں پر محیط ہے اور اس کا تدارک کرنے میں جو ذرائع استعمال ہوں گے ان کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

مسئلے کی سیاسی جڑیں

معاشرے کا ایک بڑا حصہ اب بھی نیم جاگیردار اور قبائلی حالات میں زندگی بسر کرتا ہے ایک اندازے کے مطابق ۲ء۱ ملین مرد افراد جبری مشقت کرتے ہیں۔ انسانی حقوق کے گروپوں کے اندازے کے مطابق جبری مشقت کے جال میں پھنسے ہوئے افراد کی تعداد دس ملین ہے جس میں نہ صرف مرد پورے خاندان کے خاندان اس قید میں گرفتار ہیں خواندگی کی شرح ۳۱ فیصد ہے اس کم تر شرح خواندگی کے باعث لوگ مذہبی' فرقہ وارانہ اور لسانی تعصبات کا شکار ہوتے ہیں۔

منشیات اور اسلحہ تیار کرنے والوں کی آمدنی کا اندازہ ۲۵ بلین ڈالر لگایا جاتا ہے۔ جس نے اداروں کو تباہ و برباد کیا ہے۔

پاکستانی معاشرہ ایک عبوری دور سے گزر

رہا ہے جہاں اقتدار کے روایاتی مراکز ایسے نئے مراکز میں تبدیل ہو گئے ہیں جہاں پیسے کے حصول نے واحد تحریکی عنصر کی حیثیت اختیار کر لی ہے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ یہ دولت کس طرح حاصل کی گئی ہے۔

سیاسی رشوت ستانی، نوکر شاہی کے جو روا استبداد اور ظلم و تشدد نے اداروں کو کمزور کیا ہے۔ شہریوں کو ریاست سے برگشتہ کیا گیا۔ جس کی وجہ سے ایسی قوتوں کو در آنے کا موقعہ ملا جو احتساب، عقلیت پسندی اور مسائل پر مبنی سیاست سے غافل ہیں۔ پاکستان بھی دیگر تیسری دنیا کے ممالک کی طرح رشوت ستانی اور مربیانہ نظام کا یرغمال ہے جہاں ایمانداری اور قابلیت کو ایک اثاثہ نہیں سمجھا جاتا۔

ضرورت سے زیادہ آبادی

ہیروڈوٹس بانی تاریخ نے اپنی تحریروں میں پشاور کے اطراف شمال مغربی علاقے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے مطابق یہ علاقہ اتنے گھنے جنگلات سے پر تھا کہ یہاں سورج کی روشنی مشکل سے زمین تک پہنچ پاتی تھی۔ لیکن پانچ سو سال قبل از مسیح میں بھی ہیروڈوٹس نے اس علاقے کو خاصہ آباد بتایا ہے۔ گزشتہ ڈھائی ہزار سال کے عرصے میں ان جنگلات میں کمی ہوئی اور جنوبی ایشیا میں آبادی کی بڑھتی ہوئی شرح ایک ریکارڈ ہے۔ پاکستان اپنی معقول زمینی رقبے اور ذرائع کے باوجود دنیا میں تیز رفتار شرح آبادی والا تیسرا ملک ہے۔ پاکستان کی بڑھتی ہوئی آبادی نے بڑھائی گئی پیداوار سے حاصل ہونے والی معاشی ترقی کو ناکام بنا دیا ہے۔

پاکستان میں ہر روز ۵۰۰،۱۱ بچے پیدا ہوتے ہیں اور اس صورتحال نے ملک کو انسانی ٹائم بم میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ ملک کی آبادی ۲۵ء۳ ملین سالانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہے۔ قوم کی خوشحال ہونے کی قابلیت پر آبادی کا یہ فیصلہ کن عوامل ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کا پورا پروگرام سیاسی ارادے اور ادراک، کٹر متعصب ملاؤں اور سماجی پسماندگی کا شکار ہے۔ پاکستان ایک طویل عرصے تک ادھار لئے ہوئے وقت اور رقم پر زندہ رہا ہے اب اسے ایک بچے پر مشتمل خاندان کی ضرورت کو محسوس کرنا چاہئے۔

پاکستان میں مستقل ترقی کی جانب سفر

ترقیاتی مسائل کے حل کو مقامی اور بین الاقوامی دونوں کے تناظر میں دیکھنا چاہئے۔ پاکستان کے محدود وسائل ہیں اس وجہ سے یہ اس کی وسیع انسانی وسائل کی بنیاد ہے جو اس کا ایک بڑا اثاثہ ہے۔ تربیت یافتہ افرادی قوت کی موجودگی میں عورت اور مرد، قومیت اور مذہب کی تخصیص کئے بغیر لوگوں کی مہارتوں اور قابلیتوں کو منظم کرنے کا سوال ہے۔ تحریک پیدا کرنے والوں کے لئے درست اداروں کا تعاون ضروری ہے۔ چاہے یہ تنظیموں یا چھوٹے سرمایہ کاروں کی این جی اوز کی صورت میں ہو۔ لیکن یہ تعاون قوم کو ترقی کے چیلنجوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے پوری طرح لیس کرے گا۔ کمیونٹیز کا صحت کی بنیادی دیکھ بھال اور ووکیشنل مہارتوں سے لیس ہونا بہت ضروری ہے ولازمی ہے تاکہ انہیں قومی تعمیری عمل میں فعال حصہ دار بنایا جاسکے۔ پاکستان کی کامیاب ترین این جی او ستار ایدھی ٹرسٹ ایک ایسی مثال ہے جہاں خدمت خلق کے لئے خود کو مخصوص کر دینے کے جذبے نے تنظیم کو غریبوں کے لئے ایک ایسے ہیلتھ سپورٹ سسٹم میں تبدیل کر دیا جس کا جال پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ بین الاقوامی تناظر میں خصوصاً "بدلے ہوئے سیاسی حالات میں یہ امید کی جاتی ہے کہ امداد کے ساتھ کم سے کم سیاسی شرائط وابستہ ہوں گی۔ جو اس امداد کو زیادہ قابل قبول اور بامعنی بنائے گی۔ حالانکہ پریسلر ترمیم کے نتیجے میں امریکی امداد سے چلنے والے خاندانی منصوبہ کے پروگرام کو بند کر دیا ہے جو اس منطق و استدلال کی نفی کرتا ہے۔

آنے والے برسوں میں پاکستان جیسے ملکوں کو غربت کے جال کو توڑنے کا عظیم موقعہ ملے گا۔ اکیسویں صدی صنعتوں اور زراعت کی دوبارہ تعمیر میں کروڑوں ڈالروں کی سرمایہ کاری ہوتے دیکھے گی۔ وسائل کی ایک بڑی تعداد تیسری دنیا کے ممالک کو منتقل ہوگی۔ صنعتی ممالک سن دو ہزار میں ۱۳۰ بلین ڈالر دیں گے۔ یہ رقم عالمی ماحولیاتی سہولت کے تحت فراہم ہوگی۔ اور اسے اقوام متحدہ اور عالمی بینک تقسیم کریں گے۔

تیسری دنیا کے ممالک کے ساتھ پاکستان کو معاشی تعاون کی منتقلی کے علاوہ غیر جانبدار ملکوں اور ایجنسیوں مثلاً اقوام متحدہ کو یہ موقع بھی فراہم کیا جائے کہ وہ ان مضبوط مفادات سے صرف نظر کر سکیں جنہیں رتبوں کو برقرار رکھنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

ایک اچھی حکومت کے اصولوں کی ضرورت کو امداد فراہم کرنے والے ممالک ریاست پر لاگو کر سکتے ہیں تاکہ ملک کی ترقی میں عوام کو زیادہ سے زیادہ اظہار رائے کا حق مل سکے۔

پاکستان میں صنعت اور زراعت کو رہنما کردار ادا کرنے کا بہت زیادہ موقع حاصل ہے۔ کیونکہ صنعتی ممالک کی جانب سے ان کے لئے ٹیکنالوجی اور تیکنیکس کی منتقلی مہیا ہوگی۔ اس لئے آج اور سن دو ہزار تک درمیانی عرصے میں کسی وقت اداروں کی اصلاح کے لئے بنیاد ڈالی جاسکتی ہے۔ تاکہ وہ آنے والے ان پٹ اور تعاون کا حاصل کر سکیں۔

پاکستان خوشحالی کا آرزومند ہے وہ وقت کے اس مرحلے پر ہے جہاں وہ ان نئے صنعتی [illegible] تجربے کو مد نظر رکھتے ہوئے پیداوار کے غلط نمونے سے گریز کر سکتا ہے۔ جہاں معاشرہ اور فطرت دونوں نے ہی خوشحالی کی بری قیمت ادا کی ہے۔

پاکستان معاشرے کے تمام طبقات کو فطرت کے ساتھ توازن قائم رکھنے کے فوائد اور ضرورت کا علم حاصل کرنا چاہئے۔ زندگی کی دیگر تمام صلاحیتوں کی طرح زمین کو بھی بخشش کی طرح نہیں لیا جاسکتا۔

پاکستان

جنوبی ایشیا میں

سب سے کم

جنگلاتی رقبہ

رکھنے والا ملک ہے

ادارتی نوٹ

اس شمارے میں ہم نے شہری نیوزلیٹر کے لئے ایک نئے انداز کو متعارف کرایا ہے ڈیزائن اور لے آؤٹ کے لئے آپ کی رائے کو خوش آمدید کہتے ہیں اس کی بہتری کے لئے بھی ہم آپ کے مشوروں کے طالب ہیں۔

گھومتی پھرتی غذا

پتریکھا چٹرجی : بشکریہ پیناسکوپ

اسٹرابری کے ایک جار کی تیاری اور تقسیم سے کس قدر ماحولیاتی نقصان ہوتا ہے اگر آپ کو یہ پتہ چل جائے تو آپ سوچ میں پڑجائیں گی کیا یہ اتنا ہی قیمتی ہے۔

جنوبی جرمنی کی ایک سپرمارکیٹ میں اسٹرابری کا ایک جار پہنچانے کے لئے ایک ۴۰ ٹن کی لاری کو تقریباً ۹۶۲ میٹر سفر کرنا پڑتا ہے۔

ڈیزل ایندھن جلتا ہے۔ ہوا کو آلودہ کرتا ہے اور اوزان کی تہہ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ڈلیوری کو ممکن بنانے کے لئے مزید سڑکیں تعمیر کی جاتی ہیں جس سے فطری لینڈ اسکیپ بدل جاتا ہے اور ماحولیاتی نظام تباہ ہوتا ہے۔

کیا یہ اتنا ہی مفید ہے

جرمنی کے ویرٹال انسٹی ٹیوٹ برائے موسم، انرجی اور ماحول نے اس سوال کا جواب ڈھونڈا صارفین تک ایک عام غذائی پیداوار کو پہنچانے کے لئے ماحول کو کیا قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

ریسرچر اسٹیفنی بوگ نے معلوم کیا کہ ۱۵۰ گرام وزن کے اسٹرابری یوگرٹ سے لدے ہوئے ٹرک کو پیدا کرنے اور اسے جنوبی جرمنی میں تقسیم کرنے میں لاری کو تقریباً ۳۶۵۰۰ کلومیٹر سفر کرنا پڑتا ہے۔

علاقے میں یوگرٹ کے اس مخصوص ذائقے کی رسد میں ۱۹۹۰ء میں اندازاً دس ہزار لیٹر ایندھن جلتا تھا۔ اس سے ہوا میں نائیٹرس آکسائیڈ، سلفرڈائی آکسائیڈ اور دیگر مضررسان مواد شامل ہوجاتا ہے۔

اس کے علاوہ سب سے پہلے اسٹرابری یوگرٹ کی پیداوار کو اولیت حاصل تھی۔ چنانچہ دوسری لاریوں کو پولینڈ سے اسٹرابری لانی پڑتی ہیں۔ یوگرٹ کلچر شمالی جرمنی سے آتا ہے۔ مکئی اور آٹا نیدرلینڈ سے، جام مغربی جرمنی سے اور مشرق سے چقندر لائے جاتے ہیں۔

پیکنگ کا مواد بھی دور سے منگوایا جاتا ہے اسٹرابری جار کے لئے المونیم کے ڈھکن تیار کرنے والے مینوفیکچرر بھی یوگرٹ بنانے والے سے تقریباً ۳۰۰ کلومیٹر دور واقع تھا۔ صرف دودھ اور گلاس جار مقامی طور پر تیار ہوتے تھے۔

بوگ کا کہنا ہے کہ ماحول اور لوگوں کی صحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ یورپی افراد اسٹرابری سردیوں میں اور سردیوں کی سبزیاں گرمیوں میں استعمال کرنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ اشیاء کی پیداوار اب اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی کہ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں تھی۔ لیکن اشیاء دور دراز کے علاقوں میں پہنچائی جاتی ہیں۔

یوگرٹ کی ماحولیاتی لاگت معلوم کرتے ہوئے یہ بات سامنے آئی کہ اصل ملزم تو لاری ہے جو شور، خطرات اور آلودگی کے ایک سرکش و بدکار چکر میں اپنا حصہ شامل کررہا ہے۔ دیہی علاقوں میں یہ ہوا کو آلودہ کرتا ہے جس سے دیہاتوں میں پیدا ہونے والا دودھ متاثر ہوتا ہے اور جو اس یوگرٹ میں شامل ہوتا ہے جو لاری دوسرے علاقوں تک پہنچاتی ہے۔

لاری شہروں کی ان سڑکوں پر سے بھی شور مچاتی ہوئی گزرتی ہے۔ جو سبز قطعات پر تعمیر ہوئی ہیں۔ نہ صرف بچے کھیل کے میدانوں سے محروم کردیئے گئے ہیں بلکہ گاڑی سے اخراج ہونے والے مضررسان مادے ان کی صحت کو بھی تباہ کرتے ہیں۔

یہ کارسینوجینک ہیں جو سانس کی بیماریوں اور خون کی گردش میں گڑبڑ پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ بوگ کا کہنا ہے کہ یہ اخراج ایک دوسرے سے بھی ردعمل پیدا کرتے ہیں اور ثانوی فضائی آلودگی مثلاً اوزان اور smog کا باعث بنتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یوگرٹ کا وہ جار جس کی شہرت ہے کہ "وہ صحت مند و غذائیت سے بھرپور غذا ہے" بچوں کو بیمار کرنے میں معاون و مددگار ہے۔ ●●

شہری کے خطوط کا جواب نہیں ملا

ہم نے کے ایم سی کے کیپٹن فہیم الزماں کے نام خطوط لکھے فیکس بھیجے اور لاتعداد فون کیئے کہ وہ کراچی میں غیر قانونی قبضہ اور تعمیرات کے بارے میں تبادلہ خیال کے لئے میٹنگ رکھیں۔ لیکن تادم تحریر ان کا کوئی جواب نہیں ملا۔

شہری سی بی ای نے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس جناب اسد جہانگیر کو تحریراً گزارش کی کہ وہ چالانوں کی ماہانہ فہرست اور چالانوں کی خلاف ورزی کے بارے میں مطلع کریں۔ مثلاً دھواں دینے والی گاڑیوں، سائیلنسر نہ لگانا، ہارن بجانا، ٹریفک کی خلاف ورزی اور جرمانہ وغیرہ۔ یاددہانی بھی کروائی لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

شہری سی بی ای نے پورٹ قاسم کے ٹیکنیکی رکن بریگیڈیئر صلاح الدین کو خط لکھا کہ وہ پورٹ قاسم کے علاقے میں آئل ٹرمینل کی تعمیر کے نتیجے میں ماحول پر مرتب ہونے والے اثرات کی رپورٹ فراہم کریں مگر انہوں نے یہ زحمت نہیں کی۔

وزیر اعلیٰ سندھ کی طرف سے مختلف جھیلوں اور دریائے سندھ میں آزادانہ مچھلی پکڑنے کی اجازت کے حوالے سے شہری نے انہیں خط لکھا کہ وہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے متعلقہ شعبوں کو اپنے اعتماد میں لیں۔ اس پر ایک سیکشن افسر جناب اشفاق اے سومرو نے جواب دیا کہ ہماری گزارش جنگلات اور ماہی گیری کے سیکریٹری تک پہنچادی گئی ہے اور وہ جلد ہی رپورٹ ارسال کریں گے۔ مگر کئی ماہ گزر گئے رپورٹ موصول نہیں ہوئی۔

●●

آبادی' ماحول اور ترقی

عدالتی روداد

عوامی سماعت کے نتائج

ماحول اور ترقیات انڈیا کے پبلک کمیشن (PCED) کا قیام ۱۹۹۰ء میں آیا۔ اس کا بنیادی مقصد ترقی اور ماحول سے متعلق پائی جانے والی متنوع اور مختلف آراء کو اکٹھا کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کرنا تھی۔ یہ معلومات ماحولیاتی ترقی پر عوامی سماعت کے طریقہ کار کے ذریعے ایک مربوط پیکج میں ڈھال دی جائیں۔

عوامی سماعت کا طریقہ کار اس نظریئے سے اختیار کیا گیا کہ زیادہ سے زیادہ اسٹیک ہولڈر کو اس عمل میں شریک کیا جاسکے۔ اور انھیں زیادہ بامعنی اور نمائندہ بنایا جاسکے۔ کمیشن نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ ایک مسلسل فورم فراہم کیا جائے جہاں این جی اوز اور افراد مل جل کر ماحولیاتی موضوعات مسائل اور ترقی پر تبادلہ خیال کرسکیں۔

ماحولیاتی تحریک میں عوام کا حصہ

یہ محسوس کیا گیا کہ ماحولیاتی ادراک کی تازہ لہر زیادہ تر دانشوروں تک ہی محدود ہے۔ معاشرے کے دیگر طبقوں تک معلومات پوری طرح نہیں پہنچتیں اور جو پہنچتی ہیں وہ موثر و کارگر بھی نہیں ہوتیں۔ ماروا تادیبی و انضباتی سوچ کی ضرورت کو محسوس کیا گیا جو حکومت غیر سرکاری تنظیموں کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ سیکٹر کو قریب تر لاسکے۔

اہم مشورے

تعلیمی نظام میں ماحولیاتی تعلیم کو متعارف کرانے کی ضرورت ماحولیات سے متعلق معلومات کی فراہمی کے لئے سادہ ترین زبان کا استعمال۔

حکومت پرائیویٹ سیکٹر اور این جی او کی شراکت کو مضبوط کرنے کی ضرورت۔

ماحولیات کے تحفظ کے سلسلے میں پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی۔

آبادی کا دباؤ اور ترقی

حد درجہ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی نے قدرتی ذرائع کی دستیابی اور پہنچ یا طلب اور رسد دونوں پر دباؤ ڈالا ہے۔

وسیع پیمانے پر دیہی آبادی کے شہری علاقوں کی جانب انتقال نے بھی اس شہری سہولتوں کے ڈھانچے پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا جو پہلے ہی کمزور اور ناکافی سہولتوں پر مبنی تھا۔ اس رجحان کو بدلنے کے لئے' آمدنی بڑھانے اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کے منصوبوں کے ذریعے دیہی ترقی پر زور دیا جارہا ہے۔ بحالی اور دوبارہ آبادکاری بھی ایک سنجیدہ مسئلہ بن چکا ہے۔

اس ضمن میں مشاہدات

غربت کی سطح سے بھی نیچے رہنے والوں اور زمین کے چھوٹے چھوٹے قطعات پر انحصار کرنے والے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔

بڑھتی ہوئی آبادی نے زمین کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کردیا جس سے زرعی آمدنی کم ہوگی۔

صحت اور اس سے متعلق بنیادی ڈھانچے میں اضافہ بڑھتی ہوئی آبادی کا ساتھ دینے میں ناکام رہا۔

خاندانی منصوبہ بندی کے حالیہ پروگرام ناکام ثابت ہوئے۔

چند اہم مشورے

انتقال آبادی کے موجودہ رجحان کو کم کرنے کے لئے دیہی علاقوں میں معیار زندگی کو بڑھانا ہوگا۔

دیہی علاقوں میں صنعتیں لگانے کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ اس کے لئے ایسے معاشی پیداوار کے مراکز قائم کئے جائیں جہاں مقامی پیداوار کے لئے مارکیٹنگ کی وافر سہولتیں موجود ہوں۔

رضاکار تنظیموں کو دیہی علاقوں میں خواندگی کو پھیلانے کے لئے فعال ہونا ہوگا۔

مرکوز ترقی اور شہری ماحول کی تیزی

بڑے شہروں کے پھیلاؤ پر کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے شہر نہ صرف غیر منظم اور بدصورت طریقے سے پھیلے بلکہ غیر قانونی ترقیاتی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا اور بنیادی سہولتوں پر سخت دباؤ پڑا۔ شہروں میں آباد ہونے کا رجحان اپنے ساتھ لاتعداد سماجی۔ نفسیاتی اور ماحولیاتی مسائل بھی لایا۔

کوڑا کچرا ایک بڑا مسئلہ ہے۔ بڑے بلدیاتی ادارے بھی کچرے اور کوڑے کی موجودہ سطحوں سے نمٹنے کے لئے پوری طرح لیس نہیں ہیں۔

مشاہدات

بڑھتے ہوئے شہروں نے تمام ذرائع پر اپنی اجارہ داری قائم کرلی ہے اور دیہی علاقوں کا ان ذرائع میں بہت معمولی حصہ ہے۔

ناکافی رہائشی جگہ۔ شہری سہولتوں کی کمی اور شدید آلودگی سماجی و نفسیاتی مسائل کا باعث بن رہے ہیں۔ ان اسباب نے شہری زندگی کے معیار کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے۔

شہری منصوبہ بندی کے عمل میں ماحولیات کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔

بڑے شہروں کی ماحولیاتی حیثیت کے بارے میں عملی طور پر کوئی جامع مطالعہ نہیں ہے۔

ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں بھارتی شہر کا بلند نامیاتی مافیہ کثیرالوقوع مجموعہ کی ضرورت سے منکر ہے۔

اس ضمن میں مشورے

شہروں کی بیرونی حدود میں ایسی صنعتوں کا قیام ضروری ہے جہاں مزدوروں کی وسیع تعداد کی کھپت ہوسکے۔

شہری منصوبہ بندی میں ماحولیاتی نشوونما ترجیحی بنیادوں پر شامل کرنے کی ضرورت ہے

ابلاغ عامہ اور این جی اوز کے ذریعے کوڑے اور کچرے کی ری سائیکلنگ کو فروغ دیا جائے۔

کوڑے کچرے کے انتظام کے لئے بلدیاتی اداروں کو کم قیمت ٹیکنالوجی کو ترقی دینی چاہئے

آبی ذرائع کا انتظام

بھارت کی زراعت اور معیشت کا انحصار مون سون پر ہے لیکن بارش کے پانی کا صرف تیس فیصد استعمال ہوتا ہے۔ پانی کو جمع کرنے کا روایاتی نظام عموی طور پر معدوم ہے لیکن اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے جو وسیع و عریض بند باندھے گئے انہوں نے زمینوں میں سیم و تھور اور دریاؤں کو گار سے پاٹ دینے کے مسائل وغیرہ پیدا کئے۔

بھارت کے زیرزمین پانی کے ذخائر کا قابل اعتماد اندازہ موجود نہیں ہے۔ رہنمائی یا انتظامی ادراک کے نہ ہونے کے باعث بہت سے علاقوں میں پانی کی سطح غیر معمولی طور پر گر سکتی ہے۔

مشاہدات

ایک سال میں دو فصلوں کی ناکافی کاشت کے باعث لوگ شہروں میں منتقل ہونے پر مجبور ہوتے ہیں۔

بھارت کے کل ۱۵۷ بند قبل از وقت موت کا شکار ہو رہے ہیں۔

نہری آب پاشی کے نتیجے میں زرعی زمینوں میں سیم و تھور کا شدید مسئلہ پیدا ہوا ہے۔

سیلاب کو کنٹرول کرنے والے اقدامات مثلاً پشتوں کے باندھنے سے سیلابوں کی سرعت و تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔

شہری علاقوں میں زیرزمین پانی کو سیوریج کے ذریعے آلودہ ہونے کا خطرہ ہے۔

بلاتفریق کنوؤں کی کھدائی کے باعث خشک سال علاقوں میں اضافہ ہوا ہے۔

اس ضمن میں مشورے

ملک کو ایک جامع آبی تحفظ کی پالیسی کی ضرورت ہے جو مندرجہ پہلوؤں پر زور دے۔

آبی ذخائر کے چھوٹے منصوبے

کمیونٹی کی بنیاد پر آبی انتظام کے روایاتی نظام کی از سر نو تحریک۔

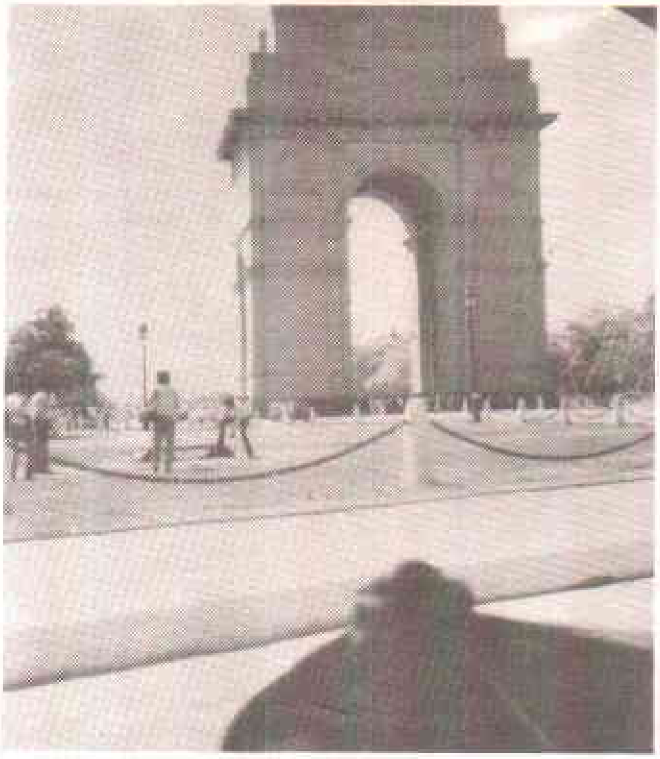

نہری آب پاشی کی افادیت مزید بہتر بنانے کے لئے مندرجہ طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں

کسانوں کی انجمنیں

پانی کی رسد کی مقدار اور آب پاشی کے اخراجات میں بہتر باہمی تعلق۔

حیاتیاتی تنوع اور قدرتی ماحولیاتی نظام کا تحفظ

جینیٹک نوع انسان اور ماحولیاتی نظام کی تمام سطحوں کے تنوع کے تحفظ کی ضرورت کو سمجھا گیا ہے اور اسے بار بار دہرایا گیا۔ قدرتی جنگلات اور مون سون والے علاقے ایسے ترجیحی علاقوں کی صورت میں ابھرے ہیں جہاں ایکشن لیا جاسکتا ہے۔

مشاہدات

مون سون والے یا بارانی علاقوں کے تحفظ کے لئے خصوصی تعاون موجود نہیں ہے۔

لکڑی سے نہ بننے والی اشیاء جنگلات سے حاصل تو کی جاتی ہیں لیکن ان کے متبادل درخت لگانے کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔

ہمالیہ کے علاقے میں پائے جانے والے ایسے پودے جو ادویہ میں استعمال ہوتے ہیں زبردست استحصال کے باعث تیزی سے غائب ہو رہے ہیں۔

مشورے

ان علاقوں میں جہاں بہت بارشیں ہوتی ہیں وہ ترجیحی توجہ چاہتے ہیں اور ان علاقوں کے بارے میں قانون وضع کرنے کی ضرورت ہے۔

جنگلات سے لکڑی سے نہ بننے والی جنگلاتی اشیاء اور دواؤں میں استعمال ہونے والے پودوں کی مسلسل تباہی کے بارے میں رہنما اصول متعین کرنے اور پالیسی بنانے کی ضرورت ہے۔

زراعت اور منسلکہ سرگرمیاں

سبز انقلاب نے بھارت میں زرعی پیداوار کو بڑھا دیا ہے لیکن فرٹیلائزر، پیسٹی سائیڈ اور آب پاشی کے حد درجہ استعمال نے زمین کی زرخیزی کو بری طرح متاثر کیا ہے۔

سبز چارہ سارا سال خصوصاً گرمیوں میں عنقا ہو گیا ہے۔

دودھ پیدا کرنے والے ملکوں کی فہرست میں بھارت کا شمار بہت نیچے کیا جاتا ہے حالانکہ ملک میں مویشیوں کی تعداد دنیا بھر میں پانچویں نمبر پر ہے۔ زمین کے استعمال کی پالیسی پر دوبارہ غور کرنے اور زیادہ مستقل طریقے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

مشاہدات

چراگاہوں کا اب تحفظ نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی دیہی آبادی ان کا انتظام سنبھالتی ہے جس کے نتیجے میں چارہ عنقا ہو گیا۔

زرعی پالیسی آب پاشی پر مبنی اعمال کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ جبکہ ملک کے خشک سال علاقے نظرانداز کئے گئے ہیں۔

روایتی فصلوں کی تجدید اور ان کی کاشت کا مشورہ کسانوں کو دیا جائے۔

۳۰ ڈگری سے زیادہ ڈھلان پر کاشت کو ممنوع قرار دیا جائے۔ یہ علاقے صرف جنگلات کے لئے مخصوص ہونے چاہئیں خشک سال علاقوں کی فصلوں کی تحقیق پر بہت زیادہ زور دیا جائے۔

جنگلاتی ذرائع کا انتظام

جنگلات جلانے کی لکڑی، عمارتی لکڑی، ادویہ، چارہ اور دیگر متنوع چیزیں فراہم کرتے ہیں۔ گزشتہ برسوں میں جنگلات تک لوگوں کی پہنچ میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔

جنگلات کی اہمیت کا ادراک ہونے کے باوجود درختوں کی کٹائی صفائی اور بلا اجازت کٹائی کسی رکاوٹ کے بغیر جاری ہے۔ ملک میں جنگلات کے انتظام کو تقویت دینے کی انتہائی ضرورت ہے۔ قابل توجہ ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ جلانے کے لئے لکڑی کا حصول فی فرد اور جنگل سے لکڑی فی یونٹ کے حصول دونوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

چند مشاہدات

غیر سائنسی طریقے پر ہونے گھاس یا چارہ اگانے کی وجہ سے جنگلات کی دوبارہ افزائش متاثر ہو رہی ہے۔

کاغذ کی بڑھتی ہوئی ضرورت نے جنگلاتی ذرائع پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا ہے۔

ضرورت کے مطابق ایندھن کی لکڑی کے متبادل طریقوں کو فروغ نہیں دیا گیا۔

چند مشورے

جنگلاتی پیداوار کے تجارتی استعمال کنندگان کو اپنا خام مال خود پیدا کرنا چاہئے۔

تعمیراتی لکڑی پر ٹیکسوں کے ڈھانچے میں ردوبدل کی ضرورت ہے۔ تاکہ ٹمبر کے استعمال کی حوصلہ شکنی کی جاسکے۔

غیر گھریلو سرگرمیوں میں ایندھن کی لکڑی

باقی صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں

قابل کاشت اراضی کے صحرا میں تبدیل ہو جانے سے 4200 ملین ڈالر سالانہ کا نقصان ہو رہا ہے

اپنے وقتی فوائد کے لئے حضرت انساں نے صنعتی اور سائنسی ایجادات کی مدد سے فطرت کے نظام سے جو چھیڑخانیاں کی ہیں' ان کے اثرات اب سامنے آنے لگے ہیں ڈ-لتھ نیوز ایشیا کے مطابق آسٹریلیا کی پچھتّر فیصد اراضی اور افریقہ کی چھیاسٹھ فیصد اراضی وسیع صحراؤں یا خشک قطعات میں تبدیل ہو چکی ہے۔

لندن میں واقع پینوس انسٹی ٹیوٹ کے مطابق ایشیا کا ۴۶ فیصد حصہ ' شمالی امریکہ کا ۳۴ فیصد حصہ ' یورپ کا ۳۲ فیصد حصہ اور جنوبی امریکہ کا ۳۱ فیصد حصہ صحراؤں میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اقوام متحدہ کے ماحولیاتی پروگرام کے مطابق قابل کاشت زمین کے صحرا میں تبدیل ہو جانے سے سالانہ ۴۲۰۰ ملین ڈالر کا نقصان ہو رہا ہے۔ پینوس انسٹی ٹیوٹ کے مطابق ایشیا کو سب سے زیادہ یعنی ۲۱ ہزار ملین ڈالر سالانہ کا نقصان ہو رہا ہے۔ جبکہ افریقہ کو نو ہزار ملین ڈالر' شمالی امریکہ کو پانچ ہزار ملین ڈالر' آسٹریلیا کو تین ہزار ملین' یورپ اور جنوبی امریکہ کو ایک ہزار ملین ڈالر فی کس نقصان ہو رہا ہے۔

ریوڈی جینرو کانفرنس کے ایجنڈا ۲۱ کے مطابق زمین کے صحرا بننے کے عمل کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

آب و ہوا کی تبدیلیوں اور انسانی سرگرمیوں کے نتیجے میں زمین کی خشک یا نیم خشک علاقوں میں تبدیلی ــــــــ

پینوس انسٹی ٹیوٹ نے زمین کے بنجر ہونے کی چار بنیادی وجوہات بتائی ہیں ــــ زمین کو زیادہ کاشت کرنا ــــ جانوروں کا زیادہ گھاس چرنا ــــ جنگلات کو کاٹنا اور آب پاشی کے ناقص طریقے ــــ ان چاروں اسباب پر تین عوامل اثر انداز ہوتے ہیں ــــ آبادی میں تبدیلی ــــ آب و ہوا کی تبدیلیاں اور بدلتے ہوئے سماجی اور اقتصادی حالات۔

دنیا کے بیشتر حصوں میں زمین کو بنجر ہونے سے روکنے کے لئے اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام نے اس ضمن میں قومی پروگراموں کے نفاذ کی تجویز پیش کی ہے۔ اس کے لئے عطیہ کنندگان کے نئے کنسورشیم بنانا ہوں گے اور نیشنل ایکشن پروگراموں کی ایک نئی کھیپ تیار کرنا ہوگی۔ این جی اوز متاثرہ کمونٹیوں' خواتین کے گروپوں اور بنیادی سطح کی تنظیموں کو ان پروگراموں میں حصہ لینا ہوگا۔

یو این ڈی پی کے مسٹر اسپتھ صاحب نے صنعتی ممالک کو کہا ہے کہ وہ ان ترقی پذیر ممالک کی مدد کریں جہاں زمین تیزی سے بنجر ہو رہی ہے۔ یو این ڈی پی کی کوششوں کا مرکز ذیلی صحارائی افریقہ ہے جہاں وہ اقوام متحدہ میں یو این ڈی پی ایک ایسا پروگرام تشکیل دے گا جو قحط سالی اور زمین کو بنجر ہونے سے روکنے کی کسی بھی ملک کی کوششوں کی حمایت کرے گا اور انہیں مجموعی انسانی ترقیاتی منصوبوں سے مربوط کرے گا۔

ان مقامی اداروں کو مستحکم بنانے میں مدد دے گا جن کا تعلق وسائل کے انتظام سے ہو

قدرتی آفات سے نمٹنے کی استعداد پیدا کرنے میں مدد دے گا اور امدادی سرگرمیوں اور طویل المعیاد ترقیاتی سرگرمیوں میں زیادہ منظم رابطے قائم کرے گا اور اپنی تمام متعلقہ سرگرمیوں کا رخ زمین کو بنجر ہونے سے روکنے کی کوششوں کی طرف موڑ دے گا۔ ۱۹۷۷ء میں زمین کو بنجر ہونے سے روکنے کے لئے ایک پلان آف ایکشن بنایا گیا تھا جسے نافذ کرنے کے لئے کئی ادارے وجود میں آ چکے ہیں اور ان کی مشترکہ کوششوں کے نتیجے میں بین الاقوامی سطح پر کارروائیاں کی جا رہی ہیں ــــ اس وقت انسانیت کو جن بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے ان میں سے ایک آنے والے وقتوں میں غذا کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔ اور اس کے لئے زمین کو بنجر ہونے سے بچانا بے حد ضروری ہے۔

دنیا والوں کو خاطر خواہ غذائیت رکھنے والی خوراک کی فراہمی کے لئے اگلی نصف صدی میں عالمی غذائی پیداوار میں کم از کم تین گنا اضافہ ہونا ضروری ہے۔

ترقی پذیر ممالک کی چار ارب کی آبادی میں ایک اوسط شخص روزانہ غذا کے ڈھائی ہزار حرارے استعمال کرتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں مغربی یورپ کا ایک اوسط شخص ۳۴۰۰ حرارے اور امریکہ کا فرد ۳۶۰۰ سے زیادہ حرارے استعمال کرتا ہے اس وقت جو حالات ہیں ان کے پیش نظر غذا میں تین گنا اضافے کی توقع پوری ہونا محال ہے۔

دنیا کے ممتاز سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد انسانی سرگرمیوں کے نتیجے میں ایک اعشاریہ دو بلین ہیکٹر اراضی خراب ہو رہی ہے۔

خراب ہونے والی اس زمین کا چوتھائی حصہ ترقی پذیر علاقے میں واقع ہے۔

دنیا کے زرعی وسائل کو پہلے ہی بہت سے خطرات لاحق ہیں پانی اور جینیاتی وسائل کی کمی' ثقافتی وسائل کی کمی' مقامی اور عالمی سطح پر آب و ہوا میں تبدیلی اور اب زمین کے بنجر ہو جانے کے عمل میں اضافہ ــــ یہ یقیناً "ایک پریشان کن صورت حال ہے اور ہم سب کو مل کے اس کا حل ڈھونڈنا ہوگا۔

آئی پی سی فیچر سروس

بشکریہ : سنہرا دور

کم سے کم فضلہ

منافع اور صاف پیداوار کی ایک راہ

اولیور بووٹ یو۔ این۔ آئی۔ ڈی۔ او' اسلام آباد

مضمون کے اہم نکات پر مبنی ایک خلاصہ

○ قوام متحدہ کا صنعتی ترقی کا ادارہ (یو این آئی ڈی او) ۱۹۶۷ء میں اپنے قیام سے اب تک صنعتی ترقی کے لئے تعاون مہیا کرنے میں مہارت رکھتا ہے۔

○ قومی ماحولیاتی کوالٹی اسٹینڈرڈ (این ای کیو ایس) کی پاکستان میں ہر صنعت کے لئے مستقبل قریب میں قبولیت متوقع ہے صنعت کاری کے باعث ہونے والے ماحولیاتی نقصانات آلودگی کے خلاف تحفظ کے لئے اس کی تشکیل عمل میں آئی ہے۔

○ جادوئی حل : کم سے کم فضلے کا مقصد قیمتی ذرائع (ان پٹ) اور آلودگی پیدا کرنے والے مادے (آؤٹ پٹ) کی پیداوار کو کم کرنا ہے۔

○ کم سے کم فضلے کے طریقوں کو عمومی طور پر چار اقسام میں منقسم کیا جاسکتا ہے جو کمی کا ذریعہ' ری سائیکلنگ' ٹریٹمنٹ اور انتظام ہیں۔

پہلے دو طریقے احتیاطی اقدامات یا ری سائیکلنگ ہیں بقیہ دو طریقے اصلاحی اور انتہائی اقدامات ہیں۔

○ احتیاط اطلاقی لاگت کم کردیتی ہے۔ احتیاط واقعی ان پٹ استعداد' ان پٹ کمی' ان پٹ ری سائیکلنگ یا ان پٹ واپسی کے ذریعے منافع پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ احتیاط حکومت کو دور رکھتی ہے۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ بہتر آپریٹنگ پریکٹس کو برق رفتاری سے اور کم قیمت پر لاگو کیا جاسکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ان پٹ ماحول اور ٹیکنالوجی کی تبدیلی مہنگی پڑتی ہے۔

منصوبوں کی اصل مثالیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کم سے کم بارہ فیصد اقدامات کو صفر لاگت پر لاگو کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ ان میں سے ۶۰ فیصد سال بھر کے اندر ہی اپنی قیمت ادا کردیتے ہیں۔ تمام اقدامات کا ۸۰ فیصد پہلے بارہ مہینوں میں ہی لاگو ہوسکتا ہے۔

کم سے کم فضلے سے فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ منافع کو بہتر کرتا ہے کیونکہ اس کا حدود رجہ آؤٹ پٹ کی بجائے ان پٹ پر ہوتا ہے۔ ●●

بقیہ : غذا میں ملاوٹ

کی حیثیت سے دوکان دار کے پاس جاتا ہے اور کھانے پینے کی کوئی چیز خریدتا ہے۔ پھر وہ اس نمونے کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے' دونوں بوتلوں پر مہر لگاتا ہے اور ان پر دستخط کرتا ہے۔ ایک بوتل دوکاندار کو دے دی جاتی ہے دوسری بوتل انسپکٹر اپنے پاس رکھتا ہے اور پھر اسے لیبارٹری میں بھجوادیتا ہے۔ اگر غذائی نمونے میں ملاوٹ پائی جاتی ہے تو یہ کیس عدالت میں بھجوادیا جاتا ہے لیکن کے ایم سی کی رسائی محدود ہے۔ کچھ علاقے ضلعی کونسل کے کنٹرول میں آتے ہیں بہت سی غذائی اشیا شہر کی حدود سے باہر تیار ہوتی ہیں جہاں کے ایم سی کا اختیار نہیں چلتا۔ ڈاکٹر پنہور کا کہنا ہے کہ قانون بنانے والے بھی ملاوٹ کے عمل میں شریک ہیں۔ ملاوٹ کا انحصار طلب اور رسد پر ہوتا ہے۔ اگر کسی چیز کی مانگ زیادہ ہے تو اس میں ملاوٹ کا امکان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ملاوٹ کی مثالیں۔ دودھ میں پانی شامل کرنا' چائے کی پتی میں جڑیں شامل کرنا' مرچوں اور مسالوں میں پسی ہوئی اینٹیں ملانا وغیرہ ہیں۔ ملاوٹ کا بنیادی مقصد زیادہ منافع حاصل کرنا ہے۔ ایک لیٹر دودھ میں اگر اتنا ہی پانی ملادیا جائے تو اس کا مطلب دوگنی قیمت کا حصول ہوگا۔ بہت سے گروہ ملاوٹ کے کاروبار میں ملوث ہیں جہاں تک اس سے انسانی جانوں کو خطرے کا تعلق ہے ڈاکٹر پنہور کا دعویٰ ہے کہ دودھ والے دودھ کو گاڑھا کرنے کے لئے اس میں بورک ایسڈ یا بوریٹ پاؤڈر نہیں ملاتے لیکن PCSIR کے ڈاکٹر قادری اس بات کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب دودھ اور چند دیگر اشیا کے نمونوں کا تجزیہ کیا گیا تو ان میں سوڈیم بوریٹ موجود پایا گیا۔ کھانے پینے کی اشیا میں شامل کیا جانے والا رنگ پارچہ بافی والا رنگ ہوتا ہے جسے پورے طور پر صاف نہیں کیا گیا ہوتا حالانکہ انہیں [illegible] صاف کیا جانا چاہئے کہ ان کے زہریلے اثرات ختم ہوجائیں۔ ہمدرد اور نورس جیسی بڑی کمپنیوں کے درآمد شدہ رنگ بے حد معیاری ہوتے ہیں لیکن گولا گنڈا میں استعمال کیا جانے والا رنگ وقتی طور پر زہر ہوتا ہے۔ زہریلے پن کے خاصے اثرات چھالیہ کے علاوہ آٹے میں شامل کنکروں اور مٹی' بیسن میں پرانے چورا چاولوں اور خاکستری مکئی کی ملاوٹ کی بنا پر پائے گئے ہیں۔ مقامی ہسپتال کے ایک معالج کا کہنا ہے کہ گلے میں زخم' السر' کینسر' پتے اور گردے کی پتھری اور پیچش کی بیماریاں ملاوٹ کے نتیجے میں پیدا ہوسکتی ہیں۔

آلودگی کی وجہ سے بھی بہت سی غذائی اشیا انسانی صحت کے لئے مضر ثابت ہوسکتی ہیں۔ پانی میں زہریلا فاضل مادہ خارج کرنے والی صنعتیں سب سے بڑی مجرم ہیں۔ یہ پانی مویشی پیتے ہیں جن کا گوشت اور دودھ ہم استعمال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر قادری کا کہنا ہے کہ اتھلے پانی کی چھوٹی مچھلی عام طور پر کھانے کے قابل نہیں ہوتی۔ صرف گہرے سمندر سے پکڑی جانے والی بڑی مچھلی کے زہریلے اثرات سے پاک ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ اس مثال سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۹۲ء میں ملاوٹ کے خلاف مہم جنوری میں شروع کی گئی لیکن یہ ناکام ہوگئی کیونکہ تھوک فروشوں نے ہڑتال کردی تھی اور کاروبار مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔

ملاوٹ جیسی مصیبت کا خاتمہ صرف عوام ہی کرسکتے ہیں جنھیں ایسا کرنے کے لئے مناسب تعلیم دی جانی چاہئے۔ اور انہیں صارفین کی حیثیت سے اپنے حقوق کے لئے لڑنا سکھانا چاہئے۔ ●●

شہری کے نئے ارکان

۲۲۳ محترمہ شاہین عمر سیالیہ۔ طالبہ
۲۲۴ محترمہ صبا کمال مارکیٹنگ نمائندہ آئی بی ایم
۲۲۵ جناب ہمایوں قریشی۔ ٹیک سپورٹ منیجر آئی ایم بی
۲۲۶ محترمہ مرتور۔ ریسرچ فیلو کے یو
۲۲۷ جناب عمر خیام۔ اکاؤنٹنٹ ایل ای سی
۲۲۸ جناب شہزاد اقبال۔ طالب علم
۲۲۹ مسٹر سیل اے جلال انجینئر
۲۳۰ مسٹر عزیز بوہرا
۲۳۱ مسٹر اسد آفریدی
۲۳۲ مسٹر پرویز کرامت انجینئر
۲۳۳ مسٹر رولینڈ ڈیسوزا الیکٹریکل انجینئر
۲۳۴ مسز کوریہ ڈیسوزا
۲۳۵ مسٹر فاروق شہزاد
۲۳۶ مس صبا عابد آرکیٹیکٹ
۲۳۷ مس سعدیہ بھٹی آرکیٹیکٹ
۲۳۸ مسٹر فاطی ای آمتہ سول انجینئر
۲۳۹ فادر بونیفے منڈلیس ڈائریکٹر
۲۴۰ مسٹر احسان نعمان
۲۴۱ مسٹر فیصل
۲۴۲ مس صائمہ منصور علی
۲۴۳ مسٹر بدنان
۲۴۴ مسٹر کولنس
۲۴۵ مسٹر کرسٹوفر کولنس
۲۴۶ مس راحیلہ

ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے "شہری" میں شمولیت اختیار کیجئے

اگر آپ "شہری" میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوپن بھر کر اس پتے پر روانہ کردیں۔

شہری ـــ سٹیزنس برائے بہتر ماحول
G-206- بلاک 2 - پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی' کراچی- 75400' پاکستان
ٹیلی فون : 442578\441769' فیکس : 454-8226

نام ____________ ٹیلی فون (گھر) ____________
پتہ ____________________________
____________ ٹیلی فون (دفتر) ____________

بقیہ : ہندوستان

کے استعمال کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے کیونکہ وہی سب سے بڑے صارفین ہیں۔

صنعتی آلودگی کی نگرانی

یہ مقبول خیال ہے کہ صرف بڑی صنعتیں ہی آلودگی پھیلاتی ہیں لیکن چھوٹی اور درمیانہ سائز کی صنعتیں بھی آلودگی کی اتنی ہی ذمہ دار ہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ آلودگی پر قابو پانے والے قوانین موجود ہیں اس کے باوجود ایسی ملکی ٹیکنالوجی موجود ہیں جو آلودگی سے پاک پیداوار میں مددگار ہیں اور آلودگی پر کنٹرول بھی پالیتی ہیں اور جو چھوٹے صنعتکاروں کی استطاعت سے باہر نہیں ہیں۔ ان ٹیکنالوجیوں کو ترقی دینے کی ضرورت ہے۔

اہم مشاہدات

آلودگی کا باعث صنعتیں

زیادہ تر پر خطر کیمیکلز چھوٹی اور درمیانی سطح کی صنعتوں میں بنائے جاتے ہیں۔ جو بے کار اور فاسد مادوں سے نمٹنے کی ٹیکنالوجی سے عاری ہوتے ہیں یا ان کے پاس اس سے متعلق ذرائع موجود نہیں ہوتے۔

پاور جنریشن میں کوئلے کے استعمال کے باعث وسیع مقدار میں گردو غبار (فلائی ایش) پیدا ہوتا ہے۔

کھلی کانوں میں کان کنی کے باعث اوپری زرخیز زمین ضائع ہوجاتی ہے۔ جہاں کانکنی کی سرگرمیاں جاری رہتی ہیں سطح اور زیر زمین آبی طریقے آلودہ ہوجاتے ہیں۔

مغرب میں بعض پر خطر اور نقصان دہ کمپاؤنڈز پر پابندی عائد ہے لیکن بھارت میں اب بھی انہیں پیدا کیا جارہا ہے۔

ہوا' پانی اور غذا مختلف کیمیکلز سے آلودہ ہوتے ہیں ۸۰ فیصد کینسر کے کیسوں کا تعلق ماحول سے ہوتا ہے۔

مارکیٹ میں متعارف ہونے والے کیمیکلز میں سے چند ایک کے ہی نقصان دہ اثرات کا علم ہے۔

نئی صنعتی پالیسی میں صرف بڑے منصوبوں سے ہی ماحول کو صاف رکھنے کی ضمانت مانگی گئی ہے۔

صنعتیں لگاتے وقت ویسٹ ری سائیکلنگ کو سب سے کم ترجیح دی جاتی ہے۔

تمام صنعتی کارکنوں کے لئے ویسٹ مینجمنٹ کی تربیت ضروری ہے۔

صنعتی آلودگی پر نظر رکھنے کے لئے ملکی ٹیکنالوجی کو ترقی دینی چاہئے۔

چھوٹی صنعتوں کے لئے پر خطر اور نقصان دہ کیمیکلز کو پیدا کرنا ممنوع قرار دیا جانا چاہئے۔

صنعتیں حسین اور صحت مند ماحول میں قائم نہیں ہونی چاہئیں

صحت کے لئے نقصان دہ کیمیکلز کے بارے میں تعلیمی اور معلوماتی مواد کو صنعتی منصوبہ بندی کرنے والوں کے درمیان پہنچنا چاہئے۔

●●

کراچی کے ساحلی نگہبان

کراچی آف شور اسپورٹ فشنگ ٹورنامنٹ ایک ایسی تقریب ہے جس کا مقصد نمکین پانی میں مچھلیاں پکڑنے کے ہیجان انگیز کھیل اور کراچی کے ساحلی پانیوں کے بے پناہ وسائل کے بارے میں آگاہی پیدا کرنا ہے۔ واضح رہے کہ کراچی کے ساحلی پانیوں میں کئی طرح کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں اس طرح کی تقریبات کی بدولت آبی مخلوقات کے تحفظ اور بقاء سے متعلق اہم مسائل سامنے آتے ہیں۔ سمندری آلودگی اور آبی وسائل کے اندھادھند استعمال کی وجہ سے کراچی کے ساحل کو خطرہ درپیش ہے۔ ٹی کے او اسپورٹ فشنگ ٹورنامنٹ کچھ عرصہ قبل منعقد کیا گیا جس میں ۳۱ کشتیاں استعمال کی گئیں اور ۱۳۶ شکاریوں نے شرکت کی اس کا انتظام آغا اسپورٹ فشنگ نے کیا تھا اور مالی اعانت کریسنٹ اسٹیل اینڈ الائیڈ پروڈکٹس لمیٹڈ نے فراہم کی تھی۔

مچھلی کے شکاری متین حیدر نے ۳۰ پونڈ والی لائن کلاس میں ۵۸ کلوگرام وزنی سائگرا پکڑ کر مچھلی پکڑنے کا نیا پاکستانی ریکارڈ قائم کیا اور ٹی کے او فشنگ اسپورٹس زانی ساحل کی لالہ امین نے بھی ۲۹ پونڈ وزنی اسنیپر مچھلی پکڑ کر نیا ریکارڈ قائم کیا۔

●●

جنگلی حیات کو بچاؤ

PADI (پاکستان ایسوسی ایشن آف ڈائیونگ انسٹرکٹرز)

ڈرائیو سنٹر (PDC) کراچی نے حال ہی میں کراچی کے ہاکس بے ساحل پر غوطہ خوروں کے لئے ایک تقریب منعقد کی' اس تقریب کا موضوع تھا "جنگلی حیات کو بچاؤ" کراچی بھر کے غوطہ خوروں اور ان کے مداحوں نے بڑی تعداد میں اس تقریب میں شرکت کی اور یہ تقریب رات دو بجے تک جاری رہی پی ڈی سی کی وائلڈ لائف بچاؤ پارٹی میں آبی آگاہی کی A2 ٹیم کی تشکیل کا اعلان کیا گیا جس کی ذمہ داری غوطہ خوروں کو ماحولیات کے فوائد کے حوالے سے تعلیم دینا ہوگی A2 ٹیم نے اسی پارٹی میں ساحل کی صفائی کا پروگرام بنایا جس میں سارے غوطہ خوروں نے حصہ لیا مستقبل میں اسی طرح کی پارٹیوں کے ذریعے کراچی کے غوطہ خوروں میں آبی زندگی کے تحفظ اور احترام کا شعور پیدا کرنا A2 ٹیم کا مقصد بن گیا ہے۔

●●●

پی ڈی سی A2 ٹیم ہاکس بے کے ساحل کی صفائی کررہی ہے